بزرگوں کی برکتیں دائمی ہیں۔ان کی نیکیوں کو زندہ رکھیں

نیز رمضان کی نیکیوں کو دوام بخشیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ مئی ۱۹۸۷ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

قوموں کی زندگی میں وہ دور بہت ہی اہم ہوتا ہے جب ایک نسل دوسری نسل سے جدا ہو رہی ہوتی ہے اور اسے دونسلوں کے جوڑ یا سنگم کا زمانہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ جدائی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے نتیجہ میں یک لخت واقع نہیں ہوتی بلکہ ایک تدریجاً لمبا سلسلہ ہے جو کافی مدت تک دراز رہتا ہے لیکن بالآخر اسے آخری دموں تک پہنچنا ہے۔

صحابہ کی نسل سے تابعین کی نسل کی جدائی کا یہ دور بھی ایک لمبا تدریجی عمل ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے لمحہ سے شروع ہوا اور تقریباً اسّی برس ہو گئے ابھی تک جاری ہے۔ آج بھی ہم میں صحابہ تو موجود ہیں لیکن بہت شاذ اور صحابہ میں سے وہ صحابہ جو اس زمانے میں صحابہ کی صف اوّل میں یا صف دوم میں بھی شمار نہیں ہوتے تھے بلکہ جو خاص صحابہ کا دور کہلاتا ہے جب وہ کثرت کے ساتھ ملتے تھے اُس وقت صحابہ کے ساتھ شامل ہونے میں یہ صحابہ جو آج ہم میں زندہ موجود ہیں یہ غیر معمولی فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ واقعۃً یہ فخر درست تھا لیکن جہاں تک دوسروں کا تعلق ہے وہ عموماً ایسے صحابہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی نمایاں حیثیت اختیار فرما چکے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ، حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ وغیرہ یہ وہ گروہ ہے، غیر معمولی شان کے ساتھ چمکنے والے ستاروں کا ہے کہ جن کی روشنی میں بعض دوسرے ستاروں کی روشنی مدھم پڑ گئی اور ان کی طرف توجہ نہ کی گئی۔ لیکن اب ہم ایسے دور میں داخل ہو گئے ہیں جب یہی صحابہ ہمارے لئے آسمان کے چمکتے ہوئے نمایاں ستارے بن گئے ہیں اور ہماری دعائیں ہیں، ہماری آرزوئیں ہیں، ہماری تمنائیں ہیں کہ ان کی روشنی ہم میں زیادہ سے زیادہ دیر تک چمکتی رہے اور ان سے جدائی ہونے کا وقت اور دیر تک ٹل جائے اور ان کے وصل کا عرصہ اور لمبا ہو جائے۔ لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے خدا کی تقدیر نے تو بہر حال جاری ہونا ہے ایک لمبا عرصہ ہمیں ان کی سرپرستی حاصل رہی، ان کا سہارا رہا۔ ان سے ہم نے نیک روایات سنیں اور نیک روایات پر عمل کرتے ہوئے بھی دیکھا۔ پس اس پہلو سے ہماری تربیت کا جہاں تک دور ہے یہ اتنا وسیع ہے کہ کسی انسان کو شکوے کا حق نہیں رہا کہ اے خدا ہمیں یعنی ہمارے تابعین کی نسل کو تو نے زیادہ لمبا عرصہ صحابہ سے تربیت پانے کا نہیں دیا۔ کم وبیش ایک صدی تک یہ عرصہ دراز ہے اور اس عرصہ میں بھی اگر ہم تربیت پا کر تربیت کے ماحصل کو اپنی ذات میں محفوظ نہیں کر لیں اور ان کے اخلاق کو اپنے اخلاق میں جاری وساری نہ کر لیں' ان کی نیک روایات کو اپنی نیک روایات نہ بنا لیں' ان کی دعاؤں کے رجحانات اور دعاؤں کے انداز کو اپنا نہ لیں تو پھر ہماری بدقسمتی ہوگی۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا تعلق ہے اس نے بہت لمبا عرصہ ہمیں ان چیزوں کے لئے دیا۔ ان کے جانے سے افسوس ہوتا ہے ایک بھی اب جدا ہو تو غیر معمولی تکلیف ہوتی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ جب آئے دن تقریباً ہر ہفتہ صحابہ فوت ہوتے تھے ان کے جنازے پڑھے جاتے تھے چونکہ پیچھے رہنے والے بھی بڑے روشن ستارے تھے اور کثرت سے تھے۔ اس لئے اس خیال سے کہ گویا صحابہ ہم سے جدا ہو رہے ہیں خوف وہراس کا کوئی پہلو بھی ذہن میں نہیں آتا تھا۔ یہ بھی وقت ہے جبکہ بعض لوگوں کی توجہ، بعض لوگوں کا ذہن خوف کی طرف بھی مائل ہو جاتا ہے انہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سروں سے چھت اڑ رہی ہو، جیسے بے سہارا رہ رہے ہوں۔ یہ خوف درست نہیں ہے اور اسی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے میں نے گزشتہ خطبہ میں خاص طور پر جماعت کو

برکتوں کے دوام کا مضمون سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بطور صحابیہ بھی ایک برکت رکھتی تھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد کی حیثیت سے جن کے متعلق الہاماً پہلے خبر دی گئی یہ ایک خاص اہمیت رکھتی تھیں۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں توہمات پیدا کرنے والے یا توہمات میں بسنے والے لوگ اس قسم کی افواہیں نہ پھیلانی شروع کر دیں کہ گویا یہ ایک Omen ہے جماعت کے لئے، ایک بدشگون ہے کہ یہ بزرگ اب اُٹھ رہے ہیں اُن کی برکتیں اُن کے ساتھ چلی جائیں گی، اب ہم بے سہارا رہ جائیں گے اور ابتلاء بڑھ جائیں گے اور فتنے زیادہ پیدا ہو جائیں گے۔

اس خطرے کی پیش بندی کے لئے میں نے مضمون کا ایک پہلو غیر معمولی زور کے ساتھ بیان کیا اور آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ برکتوں کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کریں، ان کی حقیقت سے آشنا ہوں پھر آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ حقیقی برکتیں اخلاق حسنہ میں ہیں، حقیقی برکتیں نیکیوں میں ہیں، حقیقی برکتیں تعلق باللہ میں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک نیکی اور اخلاق حسنہ اور تعلق باللہ کے مضمون میں بہت نمایاں شان اختیار کرنے والا بزرگ ہم سے جدا ہو رہا ہو تو اُس کی جدائی کا احساس تو ضرور رہے گا اس کا خلاء تو ضرور محسوس ہوگا مگر اس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ گویا یہ برکتیں جو ابدی نوعیت کی برکتیں ہیں یہ ہم سے جدا ہو جائیں گی یہ نتیجہ درست نہیں اور اگر خلاء زیادہ محسوس ہو تو پھر یہ فکر کی ضرورت ہے کہ ہمارا قصور ہے کہ یہ خلاء کیوں محسوس ہوتا ہے یا خلاء کیوں پیدا ہوا جو ہم نے محسوس کیا؟

ایک بارش برستی ہے بعض زمینوں پر برستی ہے تو دیکھتے دیکھتے پانی نظر سے غائب ہو جاتا ہے۔ بعض زمینوں پر برستی ہے تو وہ دیر تک اس پانی کو محفوظ رکھتی ہیں۔ دونوں جگہ بیک وقت یکساں بارش برس رہی ہو، ایک ہی مقدار میں برس رہی ہو تو بارش کے معاً بعد کے مناظر ایک نہیں ہوتے۔ بعض جگہ زمینیں جو پانی کو محفوظ رکھتی ہیں لمبا عرصہ تک اس کو اپنے ذرات میں بھی محفوظ رکھتی ہیں اور اپنی ذات سے پیدا ہونے والی نشوونما میں بھی نمایاں کر کے دکھاتی ہیں۔ سبزی اور ہریاول کی صورت میں مدت تک اس بارش کی یاد باقی رہتی ہے۔ اور بعض ریگستانی علاقے ایسے ہیں جہاں عارضی ایک بہار آتی ہے اور اُس بارش کے ساتھ بہت تھوڑے عرصے کے بعد وہ بہار نکل جاتی ہے۔

تو میرا مفہوم یہ تھا کہ آپ اُس زمین کا منظر پیدا نہ کریں جس پہ برکتوں والی بارش برس کر

جب نظر سے غائب ہوتی ہے تو اس کی برکتیں بھی نظر سے غائب ہو جاتی ہیں بلکہ ایسی سرزمین کا نقشہ دنیا کے سامنے پیش کریں جو برکتیں محفوظ کرنے والی سرزمین ہو۔ جس کے اندر برکتیں برسیں تو مدتوں تک ان برکتوں کی یاد باقی رہے اور اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور برکتوں والے وجود پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ ہر پہلو سے نمایاں ہونے والی شخصیت اور ابھارتا رہتا ہے۔ پس فی الحقیقت جو خلا کا احساس ہے وہ اپنی جگہ ایک الگ ایک Independant، ایک آزاد حقیقت ہے۔ لیکن خلا کے مضمون کو سمجھنے کے بعد ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جتنا بڑا خلا پیدا ہوتا ہے اس خلا میں ہماری کمزوریوں کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اگر ہم برکتوں سے محبت کرنے والے ہوں اور حقیقتاً ان کی اہمیت کو سمجھنے والے ہوں تو ان برکتوں کو ہمیں اپنی ذات میں جاری کرنا چاہئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ذات کو ایک ایسے نور کے طور پر قرآن کریم نے پیش فرمایا۔ جو خدا کے نور کی مثال ہے اور وہ نور ایک حیرت انگیز استثنائی شان رکھتا ہے۔ اپنی پاکیزگی میں، اپنی جلا میں اس کی کوئی دوسری مثال دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن وہ آیت ختم ہونے سے پہلے پہلے وہ نور بڑھتا اور پھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور وہ آیت اس مضمون پر ختم ہوتی ہے کہ پھر اسی نور کو تم مومنوں کے سینوں میں مختلف گھروں میں بھی روشن پاؤ گے۔

قرآن کریم کی آیات میں سے ایک عظیم الشان آیت ہے جو اپنے نور اور اپنی چمک میں ایک بے مثل آیت دکھائی دیتی ہے۔ حیرت انگیز ایک فلم تیار کی گئی ہے ایک چھوٹے سے جملے کے اندر۔ اس میں خدا کے نور کی مثال دنیا پہ ظاہر ہوتی دکھائی گئی اس نور کی چمک دمک، اس کی غیر معمولی شان بیان فرمائی گئی اس کا لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ (النور:۳۶) ہونا بتایا گیا کہ وہ کسی قسم کے تعصّبات یا نسلی رجحانات رکھنے والا نور نہیں ہے۔ مشرق کے لئے بھی ہے اور مغرب کے لئے بھی ہے۔ جس طرح خدا کی ذات سب کے لئے مشترک ہے اسی طرح محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور جو خدا کے نور سے رنگ پکڑ کر پیدا ہوا ہے وہ بھی عالمی نوعیت کا نور ہے۔ اور پھر فرمایا بظاہر اکیلا نور ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے، توحید سے مضمون شروع ہوا ہے، خدا کے نور سے بات چلی ہے اور غیر محسوس طور پر معاً وہ بات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے اظہار میں داخل ہو جاتی ہے اور پھر وہاں نہیں ٹھہرتی بلکہ آگے مضمون کو پھیلاتے ہوئے بتاتی ہے کہ یہ نور پھیلنے والا نور

تھا۔ ایسی شمع تھی جو دوسری شمع کو روشن کر سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں اور بہت سے سینوں نے اپنے اندر اس نور کو مستعار لیا اور پھر اپنی شمعیں روشن کر لیں اور جگہ جگہ مومنین کے سینہ میں تم اس نور کو چمکتا ہوا اور ارد گرد ماحول کو روشن کرتا ہوا پاؤ گے۔

یہ وہ مضمون تھا جس کو میں جماعت کے سامنے نمایاں طور پر لانا چاہتا تھا کہ نور سے نور لینا اور نور بننا خلاء کو محسوس کرنا لیکن دوسروں کے لئے ایسا نمونہ بن جانا کہ وہ خلاء محسوس نہ کریں اور ایک نور کو لے کر دوسروں تک پہنچانا اسکی طرف توجہ کریں بجائے اس کے کہ کھوئے ہوئے کی طرف اپنی ساری توجہ مبذول کر دیں جو حاصل ہو سکتا ہے اس میں اس کی طرف توجہ مبذول کریں۔

اس خطبہ سے ممکن ہے کسی پر یہ اثر پڑا ہو کہ میں کلیۃً کسی شخصی وجود کی ذاتی برکتوں کا انکار کر رہا ہوں۔ اسلئے مجھے خیال آیا کہ اس پہلو پر بھی روشنی ڈالنی ضروری ہے تا کہ ہماری سوچوں میں توازن پیدا ہو اور توازن قائم رہے۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں جو میں نے بات کی ہے یہ اپنی ذات میں درست ہے۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ بعض لوگ جو بعض خوبیوں اور خصلتوں میں ایک نمایاں شان اختیار کر جاتے ہیں ان کے معاً بعد ویسے دوسرے لوگ دکھائی نہیں دیا کرتے خواہ ان کا اپنا قصور ہو لیکن واقعات سے تو آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں اور بعض وجودوں کو آنکھیں ترسا کرتی ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی ہی شان تھی۔ باوجود اس کے کہ آپ کو اسوہ قرار دیا گیا باوجود اس کے کہ یہ یقین دہانی کروائی گئی کہ یہ نور باقی رہنے والا نور ہے اس کے ساتھ ساری روشنی نہیں چلی جائے گی۔ تم جانتے ہو تمہارے گھروں میں چمک رہا ہے، تمہارے سینوں میں چمک رہا ہے۔ اس یقین دہانی کے باوجود اور Model، اسوہ قرار دینے کے باوجود جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جدا ہوئے تو آنکھیں ویران ہو گئیں۔ ایسے ایسے دردناک مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا صحابہ پر اندھیر ہو گئی:

کنت السواد لناظری فعمی علی الناظر
من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر

حسان بن ثابتؓ نے یہ انتہائی درد کی آواز بلند کی ہے۔ بے ساختہ اس کے سینہ سے ایک چیخ نکلی جو اپنی ذات میں ایک دائمی چیخ بن گئی۔ یہی کیفیت تھی صحابہ کے دل کی جسے حضرت حسان

بن ثابتؓ کی زبان میں بیان کر دیا کہ اے جدا ہونے والے میرے محمدؐ، میرے پیارے! تو نور تھا جس سے میں دیکھا کرتا تھا۔ تو میری آنکھوں کی پتلی تھا۔ آج تو جدا ہوا ہے تو میں آنکھوں کے نور سے محروم ہو گیا، مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ **من شاء بعدک فلیمت** اب جو چاہے تیرے سوا مرتا پھرے **فعلیک کنت احاذر** مجھے تو صرف تیرا غم تھا کہ تو نہ ہاتھ سے جاتا رہے۔

وہ صحابہ بھی برکتوں کے مضمون کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برکتوں کو اپنے تک محدود رکھنے کے لئے نہیں آئے تھے۔ بلکہ کل عالم میں پھیلانے کے لئے آئے تھے۔ ایسا نور لائے تھے جو مشرق اور مغرب میں چمکنے والا تھا جو بادشاہوں کے محلوں اور فقیروں کی کٹیاؤں میں چمکنے والا تھا، جو کوئی تفریق نہیں کرنے والا تھا۔ اس کے باوجود جہاں تک ذاتی شان کا تعلق ہے اس کے جدا ہونے سے لازماً اندھیرا دکھائی دینا چاہئے تھا کیونکہ مقابل پر جو نور تھے ان کی حیثیت آزادانہ طور پر اتنی نہیں تھی کہ ایک جانے والے نور کی کمی کو کوئی ایک دم پورا کر سکیں۔ ستارے، سورج کے غروب کے وقت فوراً تو روشنی نہیں دکھایا کرتے۔ ایک لمبا عرصہ Dusk کا، بے چینی کا، ایک جھٹپٹے کا وقت ہے جو کچھ دیر باقی رہتا ہے اور طبیعتوں میں اداسی پیدا کر دیتا ہے۔ شام کی اداسی کا فلسفہ دراصل یہی ہے روشنی غائب ہو چکی ہوتی ہے سورج جا چکا ہوتا ہے اور ستارے ابھی اپنی روشنی دینا شروع نہیں کرتے اس لئے کہ گئے ہوئے سورج کی روشنی میں بھی وہ ماند دکھائی دیتے ہیں وہ روشنی ابھی باقی رہتی ہے، اس کی یاد باقی رہتی ہے۔ اسی طرح حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے بعد آپؐ کی روشنی جو کائنات میں ہر جگہ شفق کی صورت میں دکھائی دے رہی تھی، اس نے سورج کی جدائی کا احساس کو نمایاں کر دیا لیکن ستاروں کو ابھی یہ توفیق نہیں بخشی تھی کہ وہ فوراً مطلع پر ابھر کے اپنے آپ کو دکھانا شروع کریں اور اپنی روشنی کو پھیلانا شروع کر دیں۔ اس لئے یہ جوڑ کا زمانہ بڑے گہرے غم اور فکر کا زمانہ تھا اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا محسوس ہونا ایک طبعی امر تھا۔ اسی طرح ہر بزرگ کی جدائی درجہ بدرجہ محسوس تو ہوتی ہے اور خلاء بھی پیدا ہوتے ہیں۔

پس اگر یہ برکت ہے تو پھر میرے گزشتہ بیان میں یہ ترمیم ہونی چاہئے کہ بعض نوع کی برکتیں ضرور ایسی ہوتی ہیں جو وقتی طور پر ہاتھ سے جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور ایک شدت کے

ساتھ خلاء کا احساس ہوتا ہے لیکن جب آپ تجزیہ کریں تو اس کے علاوہ اور بھی بہت سے پہلو ہیں جو اس عمل میں کارفرما دکھائی دیتے ہیں اور محرکات بھی ہیں جو اپنا اپنا پارٹ (Part) پلے کرتے ہیں اس میں اپنا حصہ ادا کر کے یہ جدا ہو جاتے ہیں۔

شخصیتوں پر اگر آپ غور کریں تو ہر شخصیت میں ہر خوبی کو اپنے اندر سمانے کی خاصیت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے بعض لوگ بعض پہلو کے لحاظ سے حسن اختیار کر جاتے ہیں، بعض دوسرے پہلو کے لحاظ کے حسن اختیار کر جاتے ہیں۔ بعضوں میں ایک برائی باقی رہتی ہے حسن کے ساتھ بعضوں میں دوسری برائی باقی رہتی ہے۔ اسی لئے ایک کہنے والے نے کہا۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جارہا ہوں میں

جو خوبیوں سے محبت کرنے والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بعض خوبیوں کے ساتھ بعض برائیاں بھی اکٹھی آئیں گی۔ گلدستے سے پیار ہے تو کانٹوں سے بھی نباہ کرنا ہی پڑے گا۔ تو ایسے وجود جو سراسر فیض ہوں اور ساری خوبیوں کے مجمع بن جائیں، سارے انوار کا مہبط ہو جائیں، سارے حسن کا گلدستہ بن جائیں ایسے وجود استثنائی شان رکھنے والے وجود ہوتے ہیں اور عام طور پر ہمیں دنیا میں ملی جلی کیفیات کے لوگ نظر آتے ہیں۔ ان میں کمزور بھی ہیں اور طاقتور بھی ہیں زیادہ حسین بھی ہیں کم حسین بھی۔ پھر ہر ایک کی حسن کی صفت ایک الگ حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی کسی پہلو سے چمکتا ہے، کوئی کسی دوسرے پہلو سے چمکتا ہے۔ اس لحاظ سے جب ایک شخص جاتا ہے، ہم سے جدا ہو جاتا ہے تو ہم بلاشبہ محسوس کرتے ہیں کہ بعض پہلوؤں سے وہ ہمیں ضرور یاد آئے گا اور وہ لوگ چاہے کیسے بھی ہوں اس کے باوجود ہمیں بعض پہلوؤں سے ہمیں اس کا خلاء ضرور محسوس ہوگا۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ میں ایک خاص خوبی تھی کہ وہ جگ مشیر تھے۔ کسی کو کوئی مشکل ہو کوئی مسئلہ ہو، مرد ہو، عورت ہو، بچہ ہو، بوڑھا ہو بڑا ہو، جوان ہو، ہر قسم کے لوگ ہر طرف سے یہ جان چکے تھے کہ آپ بہترین مشورہ دینے والے ہیں اس لئے کوئی مشکل ہو، مصیبت ہو، کوئی الجھن ہو سارے بے فکر آپ کا دروازہ کھٹکھٹاتے تھے۔ درمیان میں کوئی دربان نہیں تھا، کوئی حفاظتی انتظام نہیں تھا، دن ہو رات ہو کنڈیاں کھٹکتی تھیں آپ آتے اور بڑی شفقت

کے ساتھ ان کو مشورہ دیا کرتے تھے۔ جب آپ کا وصال ہوا تو یہ کہنا کہ مشورے دینے والے کلیۃً دنیا سے غائب ہو گئے یا مشورے کی برکت اٹھ گئی یہ درست نہیں ہے۔ خدا رفتہ رفتہ دوسرے لوگوں کو توفیق بخشتا ہے۔ ایک کی جگہ اگر ایک پر نہیں کر سکتا تو دس پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس لئے یہ کہنا تو غلط ہے کہ وہ برکتیں پوری کی پوری وہ اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔ لیکن یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ان کے جانے سے کوئی خلاء پیدا نہیں ہوا۔ مدتوں لوگ ان کی یاد کو اس پہلو سے یاد رکھتے رہے اور بسا اوقات مجھے بھی خط لکھا کرتے تھے کہ اب تو ربوہ آ کر سمجھ نہیں آتی کہ کس کے پاس جائیں اور کس سے جا کر اپنی مشکلات میں مشورہ کریں۔ خلیفۃ المسیح کی ذات خطوں کے ذریعہ تو سب اس تک پہنچ سکتے ہیں لیکن ہر وقت جب آدمی چاہے دروازہ کھٹکھٹائے اور فوراً وقت لے لے یہ تو ممکن ہی نہیں۔ اس لئے ہمیں ایک خلاء محسوس ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ اس خلاء کو ایک سے زیادہ وجودوں نے پورا کرنے کی کوشش کی یعنی طبعی طور پر ارادۃً نہیں اور کئی پہلوؤں سے پر بھی ہوا۔

پھر کئی لوگ ہیں جو اور رنگ میں غریبوں کی ہمدردی اور خدمت کے لحاظ سے، کئی ڈاکٹر ہیں جو غیر معمولی طور پر غرباء کا ہمدردی سے علاج کرنے والے ہیں اور بعض دفعہ میں جانتا ہوں کہ بجائے اس کے کہ فیس لیں وہ اپنے پلے سے ان پر خرچ بھی کرتے ہیں۔

ہمارے ڈاکٹر عقیل شہید اسی قسم کے ڈاکٹروں میں سے تھے۔ غیر معمولی ہمدردی کا جذبہ، غیر معمولی انکسار اور ایثار کا جذبہ تھا اور جو بھی غریب احمدی ان کے دروازے تک پہنچا کبھی مایوس نہیں لوٹا۔ ہمیشہ اسکی محبت اور شفقت کے ساتھ خدمت کی اُس کا علاج کیا اور ویسے بھی غرباء کے علاج کے لئے قطع نظر مذہب کے آپ کیمپ بھی لگاتے رہے۔

اب یہ خوبی تو اپنی ذات میں جماعت سے اٹھنی نہیں چاہئے کوئی یہ کہے کہ وہ چلے گئے تو یہ برکت بھی جاتی رہی یہ ظلم ہوگا یعنی اگر جاتی رہی تو پھر ہمارا قصور ہے۔ جانے والے کا قصور نہیں ہے تقدیر الٰہی کا قصور نہیں ہے۔ اُن کا قصور ہے جنہوں نے ایک لمبے عرصہ تک ایسے شخص کی صحبت پائی اور اُس سے یہ نیکی کے گر اختیار نہیں کئے، سیکھے نہیں اور ان نیک خصائل کو اپنایا نہیں ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے خلاء کا احساس فوراً جو پیدا ہوتا ہے اس سے انکار نہیں ہے۔ کوئی معقول شخص اس کی حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا یہ ایک لابدی چیز ہے۔ مدتوں تک احمدیوں کو بھی، غیر احمدیوں کو بھی

جن جن کا بھی ایسے ڈاکٹروں سے واسطہ پڑا وہ یاد آتے رہیں گے۔

اسی طرح آج ہم میں زندہ ڈاکٹر بھی ہیں زندہ انجینئر بھی ہیں اور پیشہ ور ہیں پروفیسر ہیں جو اپنے وقت دے کر طلبہ کی خدمت کرتے ہیں، اساتذہ ہیں۔ احمدیوں میں کثرت سے آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے اوپر قرآن مجید کی آیت صادق آتی ہے وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:۴) کہ جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا وہ آگے خرچ کرتے چلے جاتے ہیں پس جس کو جس پہلو سے اپنا جو الٰہی رزق، الٰہی تحفہ غیروں کے افادہ کے لئے خرچ کرنے کی توفیق ملی اسی حد تک وہ صاحب برکت وجود نظر آتا ہے اور ہر صاحب برکت وجود بعض پہلوؤں میں نمایاں طور پر چمکتا ہے۔

حضرت صاحبزادی سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے متعلق جو خطوط موصول ہو رہے ہیں عورتوں کی طرف سے بھی اور مردوں کی طرف سے بھی ان سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی شفقت کا دائرہ بہت ہی وسیع تھا اور مدت تک یہ نسل ان شفقتوں کو یاد کرے گی۔ اگر خلاء نہ بھی پیدا ہو تب بھی ایسی شفقتیں ضرور یاد رہتی ہیں۔ صرف خلاء کی وجہ سے نہیں ویسے ایک اور بھی مضمون ہے جو اس میں اثر دکھاتا ہے وہ یہ کہ کسی کے احسان کے نتیجہ میں اس سے پیار پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ویسا اگر کوئی اور ہو بھی تو ایک وفادار شخص ایک محسن کو بھلا تو نہیں دیا کرتا کہ اس کی بجائے اور محسن گئے ہیں۔ محبت کا مضمون ایک جدا مضمون ہے اُس شخص کی برکت، اس شخص کی برکت کے طور پر پیاری ہو جاتی ہے ویسی برکت باہر سے ملتی بھی ہو تب بھی اُس جدا ہونے والے کی جدائی کا احساس ہمیشہ دل میں کھٹکتا رہے گا۔ کسی شاعر نے کہا ہے:۔

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
تم سے جہاں میں لاکھ سہی تو مگر کہاں

تم جیسے ہوں گے مگر ہمیں تم سے جو تعلق پیدا ہو چکا ہے ہمیں تمہاری ادا الگ دکھائی دیتی ہے یہ انکار نہیں کہ عقلاً واقعۃً تم جیسے سینکڑوں ہزاروں اور ہوں گے۔ غیر جانبدار آنکھ دیکھے گی تو ہوسکتا ہے تم سے بہتر بھی قرار دیدے کسی کو مگر ہمیں تمہاری عادت پڑ گئی ہے۔ ہمیں تم سے پیار ہو گیا ہے۔ پس ایک محسن اس لئے بھی خلاء چھوڑتا جاتا ہے کہ جو برکتیں اس سے حاصل کرتا ہے اس احسان کے نتیجہ میں اس کی جدائی تکلیف دیتی ہے۔

اس کے علاوہ بعض اور قسم کی خصوصی برکتیں بھی ہیں جن میں سے ایک بہت ہی اہم دعا کی برکت بھی ہے۔ یہ تو ایسی چیز نہیں جو کوئی لے جانے والا اپنے ساتھ لے جائے کیونکہ مذہب میں Monoply کا کوئی مضمون آپ کو دکھائی نہیں دیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں مقبول ہوتی تھیں تو آپؐ نے کوئی راز نہیں رکھا اور خدا نے کوئی راز نہیں رکھا کہ یہ دعائیں کیوں مقبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے وہ سارے نسخے سب کے لئے روشن کر دیئے جو دنیا دار Patent کروا لیا کرتے ہیں اور بعض چھوٹے درجہ کے بزرگ اُن کو خاص نسخوں کے طور پر سینہ بہ سینہ محفوظ کر کے آگے لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ہمارے خاص مریدوں کو یہ راز بتانا کہ فلاں وظیفہ یوں کیا جائے اور فلاں وظیفہ یوں کیا جائے لیکن وہ رحمۃ للعالمین بن کے آیا تھا اُس نے دنیا سے کوئی بات راز میں نہیں رکھی۔ سارے عالم پر سب نسخے ظاہر کر دیئے۔ قرآن کریم نے بھی ظاہر کئے اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ نے بھی ظاہر کر دیئے اس لئے وہ برکتیں نہ صرف عام ہوئیں بلکہ لافانی بن گئیں۔ لافانی بن جانا چاہئے تھا۔ لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں آنحضرت ﷺ کی ہی دعائیں تھیں دوسرے اس تک نہیں پہنچ سکے نہ آئندہ پہنچ سکتے ہیں۔

علم صرف کافی نہیں، اُس علم سے استفادہ ایک الگ مضمون ہے۔ بعضوں کو ایک حد تک استفادہ کی توفیق ملتی ہے، بعضوں کو اس سے آگے بڑھنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے بعد اچانک آپ کی دعاؤں کا فقدان ان معنوں میں محسوس نہ ہوا ہو کہ ہر ضرورت مند جس وقت ضرورت پیش آتی ہے پہنچ جاتا ہے کہ جی اس بات کی دعا کر دیں، اس بات کی دعا کر دیں۔ اس بات کی دعا کر دیں۔ نماز کے وقت پہنچ رہے ہیں کبھی نماز کے بعد اٹھ کر یہ عرض کر دیا یا رسول اللہؐ! اس چیز کی ضرورت پیش آ گئی ہے دعا کر دیں، وہیں ہاتھ اٹھائے دعا کر دی اور بعض دفعہ ایسے حیرت انگیز طور پر وہ دعا قبول ہوتی تھی کہ دیکھنے والے حیران رہ جایا کرتے تھے۔ بارش نہیں ہو رہی، خشک سالی ہے ایک زمیندار بیچارے کی چھوٹی سی کھیتی خراب ہو رہی ہے، وہ پہنچتا ہے یا رسول اللہ دعا کریں بہت بُرا حال ہو گیا ہے، جانور پیاسے مر رہے ہیں، کھیتیاں برباد ہو رہی ہیں۔ آپؐ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تو دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ وہ آسمان جس پہ بادلوں کا نشان تک نہیں تھا گھنگھور گھٹاؤں سے بھر گیا اور اتنی بارش برسی اتنی بارش برسی کہ وادیاں جل تھل

ہو گئیں، سارے علاقے سیراب ہو گئے ۔ یہاں تک کہ اُسی دعا کی درخواست کرنے والے کو یہ عرض کرنا پڑی یارسول اللہ بہت ہو گیا بس کریں۔ اب دعا یہ کریں کہ اے خدا بس اب اس رحمت کو عارضی طور پر بند کر دے۔ (بخاری کتاب الجمعہ حدیث نمبر: ۹۳۳)۔ ایسے ایسے عجیب نظارے جن آنکھوں نے دیکھے ہوں کیسے ممکن ہے کہ ایسی بابرکت ہستی کی جدائی کے بعد وہ اس کی بات پر ہی صرف اطمینان پکڑ جائیں کہ وہ برکتیں جاری رہنے والی برکتیں ہیں۔ دعا کی برکتیں آپ نے سکھائیں جس طرح بچے کو پیار سے ماں سکھاتی ہے اُس سے بھی زیادہ پیار اور توجہ سے آپ ﷺ نے تربیت کی اور بڑے دعا گو پیچھے چھوڑے لیکن وہ جو خود تھے وہ تو پیدا نہیں ہو سکا۔ اس لئے وہ خلاء ضرور محسوس ہوا اور دیر تک یہ محسوس ہوتا رہا لیکن اس کے باوجود یہ کہنا بھی ناجائز ہے کہ آپ کی دعاؤں کی ساری برکتیں اُٹھ گئیں۔ آج بھی اُمت محمدیہ پر آپ کی دعاؤں کی برکتیں برس رہی ہیں۔ دیکھنے والے جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں کہ ہزار خطروں کے ایسے لمحے آئے جن سے امت محمدیہ بچ کر گزر گئی اور ہلاک ہونے سے بچالی گئی جو خالصۃً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی جاری برکات کے نتیجہ میں تھا۔ پس مایوسی کی پھر بھی کوئی وجہ نہیں اور وہ دعا گو پیدا ہوئے جن کا زمانہ کے لحاظ سے تیرہ سو سال کا فرق تھا لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں ہی کی برکتوں نے ایسے دعا گو پیدا کر دیئے جنہوں نے پرانی دعاؤں کی یادیں زندہ کر دیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں کپورتھلہ کے دو صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب جدا ہونے لگے تو ان میں سے ایک نے، منشی اروڑے خاں صاحب نے اپنے خاص پیار کے انداز میں، بے تکلفی کے انداز میں یہ درخواست کی کہ بہت گرمی ہو گئی ہے ہم نے واپس جانا ہے اور موسم بڑا سخت ہے حضور دعا کریں کہ ایسی بارش برسے کہ اوپر سے بھی بارش ہو اور نیچے سے بھی بارش، بارش ہی بارش ہو جائے اب یہ محاورہ ہے اوپر سے بھی بارش نیچے سے بھی بارش اور منشی ظفر احمد صاحب بڑے ذہین اور فطین انسان تھے۔ انہوں نے مسکرا کر عرض کی حضور میرے لئے اوپر کی بارش کی دعا کریں نیچے کی بارش کی نہ کریں۔ وہ بتاتے ہیں کہ ہم یکہ پر روانہ ہوئے اور قادیان سے بٹالہ تک کا سفر ابھی آدھا طے نہیں کیا تھا کہ اس قدر گہری کالی گھٹا اٹھی ہے اور اس زور سے برسی ہے کہ حیران رہ گئے ہم، کوئی آثار نہیں تھے۔ لیکن جل تھل بھر گئے یہاں تک کہ بٹالہ کے پاس یا اس سے کچھ آگے ایک پل آیا کرتا تھا جہاں سڑک میں ایک بڑا نمایاں بمپ بن گیا تھا۔ یعنی

ٹھوکر اونچی سی کوہان جیسا بن گیا تھا۔ جب اس کوہان پر تانگہ پہنچا تو اتنی زور سے جھٹکا لگا کہ منشی اروڑے خاں صاحب اُچھل کر کیچڑ میں جا گرے ان کے نیچے بھی بارش تھی اور اوپر بھی بارش تھی اور منشی ظفر احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا ان کو صرف اوپر کی بارش ملی نیچے کی بارش نہیں ملی۔(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ:۱۶۲)

وہ خدا جو غیر معمولی شان کے ساتھ دعاؤں کی قبولیت کے نشان دکھایا کرتا تھا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کی ہی برکت سے ایسی دعائیں کرنے والے پیدا ہو گئے کہ خدا نے دوبارہ ویسے ہی نشان دکھانا شروع کر دیئے۔ اس لئے دعاؤں کی برکتوں سے مایوس ہونا یہ ہے جس کے خلاف میں اس دن آپ کو نصیحت کی تھی کہ ہرگز ایسی مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ آپ دعا گو بنیں آپ کو دعاؤں کی برکتیں ملیں گی اور آپ خود دعا گو بن جائیں گے لیکن ایک دعا گو بزرگ کو اُس کی رحمتوں اُس کی شفقتوں، اس کے احسان کے نتیجہ میں پیار اور محبت سے یاد رکھنا یہ الگ مضمون ہے اور اسکی کمی محسوس کرنا یہ ایک الگ مضمون ہے۔ اس سے وفا کرنا اور خود جس سے دعائیں لیتے رہے اس کے لئے دعائیں کرنا یہ ایک الگ مضمون ہے جو پہلے مضمون کے منافی نہیں۔ اس مضمون کو سمجھ کر اس کو اپنے طور پر یاد رکھیں اور اس پر بھی عمل کریں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر (آپ کے وصال کے جلدی بعد) جو دردناک نظمیں کہیں ان میں سے ایک نظم کے چند شعر میں آپ کو سناتا ہوں اس سے اُس وقت آپ کے دل کی کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ کیا تھی۔ فرماتے ہیں:

وہ نکات معرفت بتلائے کون
جام وصل دلربا پلوائے کون
ڈھونڈتی ہے جلوہ جاناں کو آنکھ
چاند سا چہرہ ہمیں دکھلائے کون
کون دے دل کو تسلی ہر گھڑی کون
کون میرے واسطے زاری کرے
درگہ ربی میں میرا جائے کون

کس کی تقریروں سے اب دل شاد ہو
اپنی تحریروں سے اب پھڑ کائے کون

(کلام محمود صفحہ: ۵۷)

یہ جو درد کی یہ آواز بلند کر رہا تھا وہ خود سب باتوں میں وہی کچھ ہو گیا۔ وہ خود وہ بن گیا جو معرفت کے نکات بتلایا کرتا تھا، وہ خود وہ ہو گیا جو جام وصل دلربا پلوانے لگا، وہ خود وہ ہو گیا جیسے بعد میں جس کے جلوہ جاناں کو ترستی آنکھوں نے ڈھونڈا اور اس کو پا نہ سکیں۔ وہ آڑے وقتوں میں آڑے آنے والا ہو گیا۔ پس برکتوں کے جانے سے اس کے خلاء کا احساس بھی ایک زندہ حقیقت ہے اور برکتوں کے دائمی ہونے کا مضمون یہی ایک زندہ حقیقت ہے۔ اس مضمون کو اس طرح سمجھیں تو آپ کے تصورات میں کوئی توازن کا بگاڑ پیدا نہیں ہوگا۔

خاص طور پر رمضان مبارک میں مجھے اس مضمون کو نمایاں طور پر آپ کے سامنے رکھنے کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ رمضان مبارک سے بھی ہم عموماً یہی سلوک کیا کرتے ہیں جو جانے والے بزرگوں سے کرتے ہیں یعنی بعض لوگ۔ ان کی یاد تو رکھتے ہیں دل میں لیکن ان کی برکتوں کو اپنانے کی کوشش نہیں کیا کرتے۔ نوحے کا پہلو تو زندہ رہتا ہے اور زندہ رہنے والی خوبیوں کا پہلو مر جاتا ہے۔ برکتوں سے محروم تو ہو جاتے ہیں لیکن ہمیشہ استفادہ کرنے کے لئے جو خدا نے ان کو جو صلاحیت بخشی تھی اس صلاحیت کو بروئے کار نہیں لاتے۔ رمضان مبارک بھی آتا ہے اور چلا جاتا ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ رمضان آیا اور اپنی ساری برکتیں لے کر چلا گیا۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جن کے لئے رمضان برکتیں چھوڑ کر جاتا ہے اور ہر رمضان برکتیں چھوڑ کر جاتا ہے۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اسی طرح خدا تعالیٰ کے بعض بندے ہیں جو خاص خوبیاں لے کر آتے ہیں وہ ہمیشہ برکتوں میں اضافہ کر کے جایا کرتے ہیں۔ ایک پہلو سے خلا بھی محسوس ہوگا لیکن دوسرے پہلو سے یہ واقعہ ہے کہ کچھ نہ کچھ مزید باتیں چھوڑ جاتے ہیں، سنت حسنہ میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح رمضان کا مبارک مہینہ ہے ہر سال یہ لوٹ کر اس لئے آتا ہے تاکہ کچھ برکتیں ہمیشہ کے لئے پیچھے چھوڑ جائے۔

ابھی آئندہ جمعہ کو جمعۃ الوداع کہا جائے گا۔ کم از کم اس علاقے میں جہاں تقریباً 29 کے روز قطعی ہو چکے ہیں یعنی نظر آنے لگ گیا ہے سائنسی شواہد سے کہ 29 کے روزے ہیں وہاں تو یہ جمعہ

وادع کا جمعہ ہے۔ جمعہ کے دن جو خطبہ ہوگا وہ تو خدا تعالیٰ جو سکھائے گا مضمون وہ بیان کروں گا لیکن اس وقت میں آپ کو رمضان کے تقریباً وسط میں اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ رمضان کی برکتوں کو اپنی ذات میں محفوظ کرنے کی کوشش کریں۔ان سے چمٹ جائیں اور یہ فیصلہ کریں باشعور طور پر اور دیکھیں کہ رمضان سے پہلے اور رمضان کے دوران آپ کی زندگی میں کیا کیا فرق پڑا ہے۔ ہر شخص اپنا جائزہ لے گا تو اسے محسوس ہوگا کہ رمضان سے پہلے کی زندگی میں ان خوبیوں سے وہ عاری تھا جو خالصۃً رمضان کی برکت سے اسے نصیب ہوئی ہیں ۔ان برائیوں میں مبتلا تھا جو خالصۃً رمضان کی برکت سے اس سے جدا ہوئی ہیں۔ پس اس قسم کا باشعور تجزیہ کر کے اپنے نفس کا اور رمضان کے شیشے میں اپنی نئی صورت کو دیکھ کر یہ کوشش کرے کہ ان نئے خوبصورت نقوش کو میں نے اب دوام بخشنا ہے۔ اور ان بدنقوش کو جن سے رمضان کی برکت سے چھٹکارا ملا ہے۔ان کو دوبارہ اپنے چہرے کو داغدار کرنے کی اجازت نہیں دینی۔ یہ ایک سائنسی طریق ہوگا اپنے حالات کا جائزہ لینے کا اور رمضان کی برکتوں کو استقلال بخشنا کا یہ کوشش کریں تو آپ حیران ہوں گے دیکھ کر کہ Conscious ؟ بالارادہ جب آپ کوشش کریں گے تو جو بظاہر آسان مضمون ہے وہ مشکل ہوتا دکھائی دے گا۔ چھوٹی چھوٹی بعض خوبیاں بھی جو رمضان کی وجہ سے آپ میں داخل ہوگئی ہیں ان کو دوام بخشنا آپ کو مشکل نظر آئے گا۔ نمازوں کی کیفیت جو اس وقت رمضان کے دنوں میں ہے لوگوں کی وہ نہیں ہے جو اس سے پہلے تھی اور لمبا تجربہ بتا رہا ہے کہ رمضان کے بعد وہ نہیں رہے گی جو رمضان میں ہے اس لئے اگر بالارادہ کوشش نہ کی جائے تو خطرہ ہے کہ رمضان جتنی برکتیں لے کر آیا ہے اتنی ہی برکتیں لے کر چلا بھی جائے گا۔ اس لئے Consciously باشعور طور پر حالات کا تجزیہ کریں، موازنہ کریں رمضان سے پہلے اور رمضان کے بیچ کے حالات کا اور پھر کوشش کریں کہ رمضان کے بیچ کے حالات آپ کے لئے استقلال اختیار کرلیں۔ اس کے باوجود جب آپ اگلے رمضان میں داخل ہوں گے تو رمضان نئی برکتیں لے کر آئے گا اور نئی خوبیاں آپ کے لئے لے کے آئے گا۔ نئی برائیوں سے آپ کے لئے نجات کا پیغام لائے گا اور اس طرح ایک مسلسل ترقی کی صورت پیدا ہو جائے گی جو لامتناہی ہے۔

ربوہ جانے والوں نے واپسی پر مجھے جو رپورٹ دی اس لحاظ سے میری طبیعت بہت خوش

ہوئی کہ باوجود اس کے کہ بعض معاملات میں اہل ربوہ کے متعلق بعض کمزوریوں کی اطلاع بھی ملتی رہی اور طبیعت بڑی فکر مند تھی لیکن نماز کے متعلق مجھے بتانے والوں نے بتایا کہ مسجدیں دیکھ کر دل خوش ہو گیا کہ بھری ہوئی تھیں۔لیکن مجھے علم ہے کہ ابھی بھی ایک بڑی تعداد وہاں ایسی ہوگی بڑی تعداد سے مراد یہ ہے کہ خاصی تعداد ایسی ہوگی جو اگر مسجدوں میں جانے کی کوشش کرتی تو مسجدوں میں جگہ نہ ملتی۔دیکھنے والا یہ نہ کہتا کہ مسجدیں بھری ہوئی تھیں وہ کہتا کہ مسجدوں کے باہر کے صحن بھی بھرے ہوئے تھے صحنوں سے باہر بھی لوگ گلیوں میں نماز پڑھنے والے تھے کیونکہ کسی شہر کی مسجدیں فی الحقیقت اس شہر کی آبادی کیلئے کافی نہیں ہوا کرتیں۔کسی شہر کا آپ جائزہ لے لیں سوائے اس کے کہ پرانے کھنڈر شہروں کی بات چل رہی ہو جہاں مسجدیں تو باقی ہیں اور نمازی کوئی نہیں ہے۔بالعموم یہی دیکھا گیا ہے کہ مسجدوں کی گنجائش اہل شہر کی آبادی سے کم ہوا کرتی ہے اور رمضان مبارک میں اگر سارے نماز پڑھنے لگیں تو مسجدوں سے نمازیوں کی تعداد اچھل کر کناروں سے باہر نکل کر دور دور تک پھیلی ہوئی دکھائی دے۔اگر یہ نہیں نظر آتا تو لازماً کچھ لوگ ایسے باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے رمضان کے باوجود بھی مسجدوں کی طرف رخ نہیں کیا۔ان کی طرف توجہ دینے کے لئے ایک الگ مہم کی ضرورت ہے۔مگر اس وقت میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو گھر میں آگئے ہیں خدا کے جن کو رمضان لے آیا ہے کشاں کشاں وہ اپنے لئے یہ کوشش تو کریں کہ اب اس تعلق کو دائمی بنالیں ۔اور یہ کوشش دعا کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی اور دعا بھی وہ جو انسان اپنے لئے کرے۔اگر اپنے لئے کوئی دعا نہیں کرتا نیکی کی تو دوسرے کی دعا اس کے لئے فائدہ نہیں پہنچایا کرتی۔

پس ساری جماعت من حیث الجماعت ساری جماعت کے لئے دعا کرے اور ہر شخص اپنے لئے یہ دعا کرے اور دعا کے لئے اس سے بہتر اور کونسا وقت ہے کہ ہم عین رمضان کے وسط سے، منجدھار میں سے گزر رہے ہیں اور دن بدن اُس دور میں داخل ہونے والے ہیں، قریب آرہے ہیں جو خاص دعاؤں کی مقبولیت کا زمانہ ہے۔اس لئے اس بات کی طرف خصوصیت سے توجہ کریں کہ خدا ہماری نیکیوں کو دوام بخش دے اور ہم سے الگ ہونے والی کمزوریوں کو اجازت نہ دے کہ دوبارہ ہم پر قبضہ کرلیں۔درد دل سے اپنے لئے اپنی اولاد کے لئے اپنے گردوپیش کے لئے دعا کریں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایک باشعور انسان کے طور پر خود اپنا نفسیاتی تجزیہ کریں۔بجائے اس

کے کہ لوگ آئیں اور انگلی اٹھائیں آپ کے نفس کی انگلی ہر دکھتے ہوئے مقام پر پڑ کر بتا رہی ہو کہ تمہارا نیکی کے لحاظ سے یہ دکھتا ہوا مقام ہے اور یہ دُکھتا ہوا مقام ہے۔ اس مقام کی فکر کرو۔ اور اس مقام کی فکر کرو ہم اس تحسین کے عمل میں داخل ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ اس عمل میں ہمیشہ داخل رہیں گے اور آگے بڑھتے رہیں گے۔

دشمن کو ایذا رسانی اور گالیاں اور ناپاک کلام کے چسکے پڑ رہے ہیں وہ رمضان میں بھی باز نہیں آ رہا اسی طرح آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے تو آپ کا کیا نقصان ہے؟ اس کا اپنا ایک لائحہ عمل ہے جو اسے پسند ہے، اسے اختیار کرنے دیں اُس کو اس راہ پر جانے دیں۔ اتنی غیر معمولی تکلیف محسوس نہ کریں ان گالیوں کی گویا آپ کا سب کچھ ہاتھ سے جاتا رہا۔ بے چین ہو گئے، بے قرار ہو گئے کہ اب کیا ہو گا۔ ان کو گالیاں دینے دیں۔ گند بولنے دیں اُنہوں نے اپنے لئے لذتوں کی ایک راہ تلاش کر لی ہے۔ آپ نے اپنے لئے لذتوں کی ایک راہ تلاش کی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ آپ کی لذتیں بہت اعلیٰ درجہ کی ہیں، نیکیوں اور پاکیزگیوں اور روحانیت کی اعلیٰ لذات ہیں ان کے مقابلہ میں آپ ان لذتوں کو کس طرح قبول کر سکتے ہیں اس کا تصور بھی آپ کے لئے بھیانک ہو جانا چاہئے۔ اس لئے آپ بہتر ہیں۔ بظاہر دشمن غالب ہے لیکن خدا کی تقدیر نے فیصلہ کیا ہے کہ نیکیوں کو ضرور بدیوں پر غالب کر کے دکھائے گا۔ پس اپنی نیکیوں میں ترقی کرتے چلے جائیں اور اپنی تقدیر کو خدا کے حوالے کر دیں۔ اُس پاک ذات کے حوالے آپ کی تقدیر ہو گی تو کبھی اُس میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہو گی۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

آج جمعہ کے معاً بعد نو مرحومین کی نماز جنازہ غائب ہو گی۔

سب سے پہلے بہت ہی دردناک حادثاتی موت کی اطلاع دیتا ہوں سلمان الحق خاں صاحب کی جو احسان الحق خاں صاحب ایڈووکیٹ کوئٹہ کے نئے منتخب امیر ہیں ان کے بیٹے تھے خود بھی قائد خدام الاحمدیہ تھے۔ بہت ہی مخلص فدائی مشکل وقت میں بڑی بہادری کے ساتھ جماعت کی خدمت پر چوکس رہنے والے تھے۔

مکرم میاں محمود احمد صاحب جو میاں بشیر احمد صاحب ایم۔ اے مرحوم کے داماد تھے اُن کے بیٹے میاں مسعود احمد صاحب دونوں نوجوان (سلمان الحق، مسعود احمد) ایک پکنک پر گئے ہوئے تھے

وہاں ان دونوں میں ایک مجھے یاد نہیں کون تھا اس کو خطرہ لاحق ہوا کہ وہ ڈوبنے لگا تو دوسرے نے بھی چھلانگ لگا کر بچانے کو کوشش کی اور دونوں ڈوب گئے۔ بالکل نوجوانی کی وفات ہے جس سے والدین پر صدمہ کا بہت ہی گہرا اثر ہے۔ جہاں اُن کے لئے دعا مغفرت ہوگی وہاں ان کے والدین کے لئے خصوصیت کے ساتھ صبر جمیل کی دعا بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کمی کو باقی نوجوانوں کے اخلاص بڑھا کر پورا فرمائے۔

مکرمہ نسیم اختر صاحبہ اہلیہ ظہور الدین احمد صاحب صدر جماعت منگلا ڈیم، مرحومہ ہمارے مسعود احمد صاحب جہلمی واقف زندگی جو مبلغ انچارج سوئٹزرلینڈ ہیں ان کی نسبتی ہمشیرہ تھیں۔ مکرم غلام احمد صاحب بٹ، مکرم محمد سلیم بٹ جرمنی کے والد تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ خاندان میں اکیلے احمدی تھے یعنی آبائی خاندان میں، بچوں میں تو آگے خدا کے فضل سے احمدی ہیں۔

مکرم احسان الٰہی صاحب جنجوعہ ایڈووکیٹ معروف شخص ہیں۔ اہل ربوہ ان کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ چنیوٹ میں ایڈووکیٹ تھے اور دوستوں کی بڑی خدمت کیا کرتے تھے۔ مکرم ولی الرحمٰن صاحب سنوری کارکن حدیقۃ المبشرین کے خسر تھے۔

شریفاں بیگم صاحبہ زوجہ حکیم محمد کامل صاحب مرحوم سکنہ جھنگ کے متعلق بھی محمد یعقوب صاحب نے درخواست کی ہے کیونکہ یہ ان کی ہمشیرہ تھیں۔

اسی طرح طیبہ حبیب صاحبہ نے اپنے چچا محمد یونس صاحب کی نماز جنازہ کی درخواست کی ہے۔ طیبہ حبیب صاحبہ مولوی روشن دین صاحب مبلغ سلسلہ کی بہو ہیں۔

ماڈل ٹاؤن فیصل آباد سے اطلاع ملی ہے کہ عبدالغفور صاحب جو شیخ رحمت اللہ صاحب صحابی کے فرزند تھے یہ حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے ہیں۔ ان سب کی نماز جنازہ غائب جمعہ کے معاً بعد ہوگی انشاء اللہ۔